التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

"بحث تجدید و مجدد"

(۸)

(از سعید احمد)

اس سلسلہ میں لکھنے کو تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً احکام سفر۔ ضبط ولادت اور پھر خصوصاً عورتوں سے متعلق احکام و مسائل کا جہاں تک تعلق ہے ان پر گفتگو کی اور بحث و نظر کی کافی گنجائش ہے لیکن اگر ہم اسی طرح ایک ایک مسئلہ کو لے کر گفتگو کرتے رہے تو یہ تبصرہ ابھی ایک سال میں بھی پورا نہیں ہوگا اس بنا پر اس کو یہیں ختم کرکے اب ہم تجدید و مجدد کے عنوان پر مختصر کلام کرنا چاہتے ہیں اور یہ ہی بحث ہمارے تبصرہ کی کتاب کا آخری باب ہوگا۔

جناب مؤلف نے بار بار اور بڑی تحدی کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ عہد حاضر کے نہ صرف مجدد بلکہ جامع المجددین یعنی کامل مجدد تھے اور دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تجدید حضرت مرحوم نے نہ کی ہو۔ ہم کو اس سے اختلاف ہے اور ہماری رائے یہ ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اسلام کی تجدید ضرور ہوئی ہے لیکن اس کا سہرا تنہا کسی ایک بزرگ کے سر نہیں ہے۔ بلکہ علماء۔ مشائخ اور صلحا و ارباب کمال کی ایک جماعت کے سر ہے جس کے سب افراد نے اپنی اپنی وہبی و کسبی صلاحیت و استعداد کے مطابق اسلامی زندگی کے مختلف شعبوں میں اصلاح و تجدید کا عظیم الشان کام انجام دیا ہے اس جماعت کے سرخیل و میر کارواں حجۃ اللہ علی الارض حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مولانا تھانوی بھی اس جماعت کے ایک رکن رکین اور شاہد مسند نشین تھے ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جامع المجددین کے مؤلف نے جوش اعتقاد و ارادت سے مغلوب ہو کر مولانا تھانوی کے اصل کمالات کا بھی بہت ہی سرسری اور سطحی جائزہ لیا ہے جس کی وجہ سے وہ یہ کہہ کر کہ مولانا کم از کم "مجدد معاشرت" تو تھے ہی آگے بڑھ گئے ہیں حالانکہ جیسا کہ ہم بتائیں گے مولانا کے تجدیدی کام کی بنیاد ایک بہت عمیق اور گہری حقیقت پر قائم ہے جس تک ان کے مرید باصفا کی نظر پہنچ بھی نہیں سکی ہے اور بے شبہ یہ کام مولانا تھانوی کا مخصوص کارنامہ ہے جس کی وجہ سے ہم نے ان کو بزم مجددین کا ایک شاہد مسند نشین کہا ہے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ

(۱) تجدید کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) مجدد کا اصل کام کیا ہے؟

(۳) مجدد میں کیا کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟

اب ہم عنوانات بالا میں سے ہر ایک عنوان پر الگ الگ گفتگو کرتے ہیں

تجدید کی حقیقت | قدرت کا قانون یہ رہا ہے کہ ایک مدت کے بعد جب کبھی لوگوں میں گمراہی اور کجی پیدا ہو گئی اور وہ طریق حق و صواب سے دور جا پڑے ہیں تو ان کی ہدایت اور صراط مستقیم کی نشاندہی کے لیے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغمبری کے ختم ہو جانے کے بعد اب جب کہ کسی نبی کی بعثت کا امکان نہیں رہا، اور دوسری جانب فطرت انسانی کی اثر پذیری اور تغیر کوشی کا عالم وہی ہے جو پہلے تھا تو ظاہر ہے کہ اب ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو خود پیغمبر نہ ہوں لیکن جزوی یا کلی طور پر پیغمبرانہ کام کا احیا اور اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر اللہ تعالیٰ ایسا شخص یا ایسے اشخاص پیدا کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کریں گے یہ حدیث اگرچہ صحاح ستہ میں سے صرف سنن ابوداؤد میں مذکور ہے اور راویوں کے اعتبار سے حدیث صحیح و حسن کے مرتبہ کی حدیث نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ معنی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور اس

حیثیت سے اس میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ختم نبوت کے بعد دین کے بقاء کی اس کے سوا کوئی اور صورت ہی نہیں ہے کہ ایک معتد بہ مدت کے فصل سے وقتاً فوقتاً مجدد آتے رہیں حدیث میں "جو علی راس المائۃ" کا لفظ آیا ہے اس سے بعض کیا اکثر علماء نے اس کا لفظی مفہوم مراد لیا ہے اور اس بناء پر جب کسی شخص کے مجدد ہونے کی بحث درمیان میں آتی ہے تو پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ وہ صدی کے آغاز یا آخر میں بھی تھا یا نہیں؟ لیکن جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے مقصد صرف معتد بہ وقت" کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اور بس! یعنی اتنی مدت جس میں بالعموم لوگوں کے عقائد و افکار۔ ان کے اعمال و افعال اور ان کے رجحانات و میلانات میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ "ان تستغفر لھم سبعین مرۃ" سے عدد معین نہیں بلکہ کثرت و تکرار استغفار مراد ہے۔

اس موقع پر چند باتیں یاد رکھنی چاہئیں!

(۱) جیسا کہ ابھی کہا گیا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مجدد صدی کے آخر یا اول میں ہی ہو" وہ درمیان صدی میں بھی ہو سکتا ہے اس کی اس حیثیت کا فیصلہ اس کے کام کی روشنی میں ہوگا۔ نہ اس کی تاریخ پیدائش و وفات کی روشنی میں۔

(۲) مجدد شخص واحد بھی ہو سکتا ہے اور ایک جماعت بھی! مجدد شخص واحد اسی وقت ہوگا جب کہ تن تنہا ایک ہی شخص نے ایک جماعت کا کام کر کے مسلمانوں کی روحانی۔ اخلاقی۔ جسمانی۔ معاشی، اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے تعلیم و تربیت کر کے انھیں "وانتم الاعلون" اور صحیح معنی میں "حزب اللہ" کا مصداق بنا دیا ہو' اس کے برخلاف جماعتی تجدید اس وقت ہوگی جب کہ کسی ایک جماعت کے مختلف افراد نے کسی ایک ایک شعبہ کی تجدید کی ہو اور ان سب کی متفقہ کوششوں کا مجموعی اثر یہ ہوا ہو کہ نور ظلمت پر اور اسلام کفر پر غالب آگیا ہو اور مسلمان بحیثیت ایک قوم کے عزت و عظمت کے مالک ہو گئے ہوں اس صورت میں اگرچہ فرداً فرداً ہر ایک کو مجدد کہا جا سکتا ہے لیکن دراصل "من یجدد لھا دینھا" کا مصداق پوری جماعت من حیث المجموع ہوگی نہ کہ اس جماعت کا ہر فرد الگ الگ!

(۳) تجدید طبقہ علماء و مشائخ میں سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے ارباب سیاست اور اصحاب علم و فضل و کمال میں سے بھی۔ بشرطیکہ اس کی زندگی اور اس کا طریق کار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو اور اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو۔

(۴) تجدید ناقص بھی ہو سکتی ہے اور کامل بھی! کامل اس وقت ہوگی جب کہ اسلامی نظام حیات مکمل طور پر سرفراز و سربلند اور نافذ و جاری کر دیا گیا ہو اور اس کی عظمت و سطوت کے سامنے جابرۂ عالم اور فراعنۂ روزگار کی گردنیں تسلیم و اطاعت کے بار سے خم ہو گئی ہوں اور رب السموات والارض کا مقصد "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آگیا ہو۔ بالکل ٹھیک اسی طرح جیسا کہ عہد خلافت راشدہ میں ہوا یا پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر دور حکومت میں اس کی جھلک نظر آئی اس کے برخلاف جو تجدید ہوگی وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ناقص ہوگی اور جو مجدد ہوگا وہ خواہ دوسرے مجددین کے اعتبار سے کیسا ہی بڑا مجدد ہو اور مجدد اعظم کہلاتا ہو۔ بہر حال "مجدد کامل" نہیں ہوگا، عقل اور قیاس کا تقاضا ہے اور خود احادیث میں بھی اس کی طرف اشارے ملتے ہیں کہ ایک "مجدد کامل" کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس شان کا مجدد اب تک پیدا نہیں ہوا ہے، اگرچہ آج کی دنیا گمراہی اور ضلالت کے جس قعر عظیم میں جا گری ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب مذہب کفر و ضلال کے مجددین کامل کا ظہور ہو رہا ہے اور ان کی وجہ سے انسانیت کے شرف و مجد کی کتاب کا ایک ایک ورق پریشان ہو کر رہ گیا ہے تو ان کے توڑ میں اسلام کے مجدد کامل کا بھی ظہور ہو۔

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز!!

مجدد کا اصل کام کیا ہے؟ | گذشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجدد کا اصل کام کیا ہے یعنی وہ سب سے پہلے اس زنگ اور میل کچیل کو دور کرتا ہے جو امتداد زمانہ کے باعث اور مختلف اندرونی اور بیرونی اسباب و علل کی وجہ سے اسلام کے صاف و شفاف چہرہ پر مستولی ہو گیا ہے۔ پھر وہ ان اسباب کا بنظر غائر مطالعہ کرتا ہے جن کی وجہ سے حق کو اضمحلال اور باطل کو فروغ ہوا ہے اور اس کے بعد فساد کے آنے کی جتنی راہیں ہوتی ہیں ان کا بڑی وسعت نظر کے ساتھ جائزہ لیتا ہے اور ہر راہ کو مسدود کرنے فساد

کے ہر سر چشمہ کو بند کرنے اور باطل کی ہر قوت کو شکست دینے کے لئے ایک پروگرام بنا لیتا ہے یہ پروگرام اس کی اعلیٰ دماغی و ذہنی قابلیت۔ طہارتِ نفس۔ عالی نظری۔ شجاعت دلیاقت۔ غیر معمولی بیداردلی کا مظہر ہوتا ہے۔ اس مجدد کے لئے کوئی ایک خاص مورچہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ باطل کے ہر محاذ پر جھوٹ اور شیطنت کے ہر مورچہ پر صف آرائی کرتا ہے وہ اپنی زبان سے بھی کام لیتا ہے اور قلم سے بھی۔ اور اگر ضرورت داعی ہوتی ہے تو اسے تلوار اٹھانے میں بھی تامل نہیں ہوتا وہ ارباب عزیمت میں سے ہوتا ہے نہ کہ ارباب رخصت میں سے وہ سراپا حرکت اور جوش عمل ہوتا ہے۔ اپنے مشن کے لئے زمین کی طنابیں ناپتا ہے۔ سفر کرتا ہے اور جو آگ اس کے دل میں سلگ رہی ہوتی ہے وہ ہزاروں دلوں میں روشن کر دیتا ہے وہ گوشہ نشین وخلوت گزیں نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا اس کا کام صرف دعائیں مانگنا اور سبحہ گردانی کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ مردِ شمشیر و دعا بھی ہوتا ہے اور دنیا کے ہر فتنہ کو چیلنج کرتا ہے غرض کہ علم اور عمل۔ فکر و نظر۔ اور سیرت و کیرکٹر ہر میدان میں اس کا پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ مسکراتا ہے تو نسیم سحر اور شبنم کی لطافتیں اس پر نثار ہوتی ہیں وہ غصہ میں آتا ہے تو رعد کی گرج اور بجلی کی تڑپ خوف و دہشت کے بادلوں میں روپوش ہو جاتے ہیں وہ اس کارگاہ ہستی میں اللہ کی ایک نشانی اور قدرت کی انگشتری کا ایک نگینہ ہوتا ہے۔ اس کی مسلسل جدوجہد سے فکر و نظر اور عمل و کردار کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو جاتا ہے۔ کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں بدعت و گمراہی کے بادل فنا ہو جاتے ہیں۔ حق کا آفتاب ضو فشانی کرنے لگتا ہے۔ مسلمان صحیح معنی میں مسلمان ہو جاتے ہیں ذلت و نکبت کی جگہ عزت و عظمت ان کے قدم چومتی ہے اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے رہنے کے قابل ہو جاتے ہیں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

اذا قل العلم وكثر الجهل والبدعة	جب علم کم اور جہل اور بدعت زیادہ ہو جاتی ہے تو اللہ تع
يبعث الله من يجدد الدين الامة	ایسے لوگ پیدا کرتا ہے جو امت کے دین کی تجدید کرتے
اى يبين السنة من البدعة	ہیں یعنی یہ سنت کو بدعت سے متمیز کر دیتے ہیں علم کو زیادہ
ويكثر العلم ويعز اهله ويقمع البدعة	کرتے اور اہل علم کو غالب کر دیتے ہیں اور بدعت کا قلع قمع

کرتے اور اہل بدعت کو شکست دیتے ہیں۔ مرقاۃ ج ۱ ص ۲۴۷ دیکھیں اشعۃ

مجدد کے اوصاف و کمالات | سطور گذشتہ بالا سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک مجدد[1] میں کیا کیا اوصاف و کمالات ہونے چاہئیں ہم ذیل میں مزید وضاحت کی غرض سے انھیں اوصاف کو نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

(۱) ذہانت و ذکاوت | ذہانت و ذکاوت کے بغیر معمولی سے معمولی دعویٰ میں بھی کامیابی نہیں ہوتی پھر یہ ظاہر ہے کہ تجدید کا اہم کام اس کے بغیر کیوں کر انجام پا سکتا ہے۔

(۲) مہارت علوم و فنون | ایک مجدد کو علوم و فنون اسلامیہ و عصریہ میں بھی ماہر ہونا چاہئے کیونکہ اقوام و ملل کے افکار و خیالات پر رائج الوقت علوم و فنون کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس بنا پر ایک مجدد کو معلوم ہونا چاہئے کہ فلاں معاملہ اور مسئلہ میں خیال کی گمراہی کہاں سے آئی ہے تاکہ وہ اس کا سدباب کر سکے۔ کسی زمانہ کے علوم و فنون مثل آلات حرب کے ہوتے ہیں جس طرح کوئی قوم اپنے زمانہ کے مروج اور ترقی یافتہ ہتھیاروں کو استعمال کئے بغیر جنگ میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی اسی طرح کوئی مصلح اور مجدد اپنے عہد کے مروج علوم و فنون جن کو انسانی عقائد و افکار کے تشکیل و تعمیر میں دخل ہو۔ ان سے واقفیت اور ان میں بصیرت حاصل کئے بغیر فکر و نظر کی جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتا؛ رہ گئے اسلامی علوم و فنون: تو ان کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جو شخص خود اپنے گھر سے بے خبر ہے وہ اس کی تعمیر جدید و تجدید کیا کریگا

(3) تفقہ | ایک مجدد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لکیر کا فقیر اور صرف سطح شناس نہ ہو۔ بلکہ اس کو احکام الٰہی کے اسرار و غوامض اور رموز و علل سے پوری واقفیت ہو۔ وہ یہ جانتا ہو کہ فلاں حکم فلاں وجہ سے تھا اور مخصوص قسم کے حالات کے زیر اثر تھا۔ شریعت اسلام کے مسائل میں جو تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے ایک مجدد میں اس بات کی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ ان سب احکام متنوعہ و مختلفہ میں ہم آہنگی اور یکسانیت پیدا کرے اور ہر حکم کا الگ الگ محل و مصداق متعین کر کے ان میں توافق کی راہ نکالے پھر اس کو اپنے زمانہ کے حالات کا جائزہ وسیع النظری اور روشن دماغی کے ساتھ لے کر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ احکام اسلام میں اور اس کے عہد کے حالات میں مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں مجدد سے ہماری مراد وہ ہے جو مَن یجدد لہا دینہا کا مصداق ہو نہ کہ مجدد جزئی

اگر نہیں کی جا سکتی تو ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کی کیا صورت ہے؟ اس کا کوئی کامیاب عملی حل نکالنا چاہئے، ساری دنیا کو بے وقوف سمجھ کر اپنے آپ یا اپنی قوم کے لئے "سیچومن دگرے نیست" کا صرف نعرہ لگاتے رہنے سے تجدید نہیں ہوتی ہے۔

(4) تقویٰ وطہارت | ایک مجدد کی زندگی چونکہ دوسروں کے لئے ایک دعوت عمل ہوتی ہے اس بنا پر اس کو تقویٰ وطہارت کے وصف سے بھی متصف ہونا چاہئے ورنہ نہ اس کی باتوں میں اثر ہوگا اور نہ اس کے عقیدتمندوں کی عقیدت پائدار ہوگی۔

(5) قوت تحریر وتقریر | مجدد میں تحریر وتقریر کی طاقت وقوت غیر معمولی ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے پیغام اور اپنی دعوت کو دوسروں تک زیادہ سے زیادہ موثر و دلنشین انداز میں پہنچا سکے کوئی حقیقت اپنی جگہ پر کتنی ہی ٹھوس اور سچی ہو لیکن قابل قبول طریقہ پر اس کی اشاعت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک حسن بیان کی مدد شامل حال نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسلام کا داعی اول تھا وہ فصاحت وبلاغت میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔

(6) لیڈرشپ کی صلاحیت | مذکورۂ بالا صفات وکمالات کے علاوہ ایک مجدد کے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ اس میں ایک انحطاط پذیر رفتہ" اور زبوں حال قوم کا لیڈر بننے کی استعداد بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس مقصد کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ وہ قوم کی نفسیات سے پوری طرح باخبر ہو اور قوم جن فکری وعملی اسقام وعوارض میں مبتلا ہو گئی ہے ان کی صحیح تشخیص کر کے اس کی نظر ان عوارض کے طبعی اسباب ووجوہ پر ہو۔ یعنی اسے ایک طبیب حاذق کی طرح ہونا چاہئے کہ پہلے وہ اصل مرض کی جڑ معلوم کرے پھر اس کے اسباب کا پتہ لگائے اور پھر وہ مریض کی دوا اور پرہیز کا ایک ایسا جامع وہمہ گیر پروگرام بنائے جس پر عمل کرنے کے بعد مرض کی جڑ کٹ جائے اور اس کی وجہ سے فساد جہاں جہاں پیدا ہو گیا تھا وہ سب دفع ہو جائے اور اس کی عروق افسردہ میں زندگی کا نیا اور تازہ وصالح خون پیدا ہو کر اسے از سر نو تنومند اور تندرست بنا دے مگر مجدد اور طبیب میں فرق یہ ہے کہ طبیب صرف مرض کی تشخیص کر کے نسخہ لکھ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ نسخہ استعمال کرنا نہ کرنا یا اس کی ہدایات

کے مطابق عمل پیرا ہونا یا نہ ہونا یہ سب کچھ مریض یا اس کے تیمارداروں کے سپرد ہوتا ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ اس کے برخلاف مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ صرف پروگرام ہی نہیں بناتا یا بالفاظ دگر نسخہ ہی نہیں تجویز کرتا ہے۔ بلکہ وہ خود مریض سے نسخہ کا استعمال بھی کراتا ہے اور جو چیزیں ازالۂ مرض میں ممد ومعاون ہو سکتی ہیں انھیں کھلاتا اور جن چیزوں سے مرض میں زیادتی کا اندیشہ ہو سکتا ہے ان سے مریض کو باز بھی رکھتا ہے اس غرض کے لئے اس کو کبھی کونین کی گولیوں پر شکر لپیٹنی پڑتی ہے کہ مریض کی دلجوئی ہو اور کبھی مریض کو دھمکانا اور جھڑکنا بھی پڑتا ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ مجدد قوم کا طبیب حاذق بھی ہوتا ہے اور اس کا باپ بھی! اس کا دل بھی بیدار ہوتا ہے اور دماغ بھی روشن، مرض کی کیفیات بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کا طریق فکر بھی بدلتا ہے اور نسخہ میں اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور مریض کی طبیعت اور اس کے تاثرات ذہنی میں انقلاب کے رونما ہونے کے ساتھ ساتھ مریض کے ساتھ اس کے برتاؤ میں بھی انقلاب پیدا ہوتا رہتا ہے، مریض درد سے چیختا ہے تو وہ خود بھی رونے لگتا ہے لیکن بایں ہمہ وہ اپنا دماغی توازن برقرار رکھتا ہے اور محبت کے جوش میں یہ نہیں کرتا کہ مریض کو کڑوی کسیلی دوا ہی نہ پینے دے۔

کامیاب لیڈرشپ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مجدد اپنی قوم کی نفسیات سے واقف ہو کر اس کے مطابق عمل ہی نہ کرے بلکہ اس قوم کو جن دوسری اقوام سے واسطہ پڑ رہا ہے ان کی نفسیات اور ان کی طاقت و قوت اور اس طاقت و قوت کے اصل سرچشموں سے بھی واقف ہو اور اس نے ان سب چیزوں کا مطالعہ دیدہ وری اور دقت نگاہ سے کیا ہو! اس پہلو سے ایک مجدد کی حیثیت فوج کے کپتان یا کمانڈر کی سی ہوتی ہے۔ ایک کمانڈر کا یہ فرض ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے وہ خوب اچھی طرح یہ معلوم کرے کہ حریف مخالف کی تعداد کتنی ہے! اس کے پاس کتنے ہتھیار اور کون کون سے آلات حرب ہیں رسل و رسائل اور سامان رسد کی فراہمی اور ان کی آمد و رفت کے راستے کتنے کیسے اور کون کون سے ہیں؟ دشمن کے مورچوں میں سے کون سا مورچہ مضبوط ہے اور کون سا کمزور اور اس کو اپنا پہلا حملہ کب کس وقت اور کتنی فوج اور کیسے ساز و سامان اور کیسی کیسی پیش بندیوں

کے ساتھ کس مورچہ پر کرنا چاہیئے، علاوہ بریں اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ دشمن کے تعلقات کن کن حکومتوں کے ساتھ ہیں اور اس کو کہاں کہاں سے اور کس شکل میں کتنی اور کس قسم کی کمک مل سکتی ہے دشمن کے ملک میں کتنے دریا ہیں؟ کیسی کیسی پہاڑیاں اور درے ہیں اس کے معاشی اور اقتصادی ذرائع کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ جو کمانڈر آغازِ حرب سے قبل ان سب چیزوں کا جائزہ نہیں لیتا اور ان کے مطابق اپنی فوج کی نقل و حرکت کی تنظیم نہیں کرتا وہ کسی اتفاقی حادثہ سے کامیاب ہو جائے تو ہو جائے نظر بہ اسبابِ ظاہری اس کی کامیابی مشکل ہے!!

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ مجدد کے لئے قوم کا۔ قوم کے خواص و عوام سب کا اعتماد حاصل کرنا بھی ضروری ہے یعنی قوم کے حالات۔ ذہنی کیفیات اور دماغی صلاحیت و استعداد کے پیشِ نظر اپنی تحریک اس معتدل رفتاری کے ساتھ چلانی چاہیئے کہ قوم یکایک متنفر اور متوحش ہو کر اس کا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ یعنی اس کو پہلے دعوت دینی ہو گی۔ خیالات و افکار بدلنے ہوں گے اور پھر ان کی تنظیم کرنی ہو گی!! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہر ایک کے لئے ایک صحیح نمونۂ عمل موجود ہے ایک اعرابی آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ شروع شروع میں فرماتے ہیں کہ کلمہ پڑھنا اور نماز ادا کرنا اس کے کچھ دنوں بعد روزہ اور پھر زکوٰۃ و حج کی تعلیم و تلقین آہستہ آہستہ فرماتے ہیں یہ نہیں کہ ایک دم ہی اس کو سارے احکام و فرائض کا مکلف کر دیا ہو شراب الخبائث جیسی ام الخبائث چیز جس کو نزولِ اسلام کے اول روز حرام ہونا چاہیئے تھا ۳ھ میں حرام ہوتی اور وہ بھی تدریجی طور پر حضرت عائشہ اس کی مصلحت و حکمت بھی بیان فرما دیتی ہیں کہ اگر شراب پہلے ہی دن حرام ہو جاتی تو کوئی نہ سنتا۔ آنحضرت چاہتے تھے کہ حطیم کو ہدم کر دیں، مگر فرمایا کہ قوم نئی نئی مسلمان ہوئی ہے۔ اگر حطیم کو گرا دیا گیا تو کہیں یہ نہ کہے کہ یہ کیسے پیغمبر ہیں کہ بناءِ ابراہیمی میں کانٹ چھانٹ کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ منافق کون کون لوگ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھ کو تو معلوم ہے کہ یہ لوگ منافق ہیں مگر دوسروں کو اس کا علم نہیں اس بنا پر اگر ان کو قتل کیا گیا تو کہا جائیگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کرنے لگے پھر یہ دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس

طرح مکہ کی زندگی میں پہلے چپکے چپکے دعوت اسلام دیتے ہیں اور اپنا حلقہ وسیع کرتے رہتے ہیں حضرت عمرؓ ایسے باثر و باوقار اور مدبر و شجاع شخص کے لئے مسلمان ہونے کی دعا فرماتے ہیں اہل مکہ کی ستم رانی حد سے زیادہ ہوتی ہے تو مسلمانوں کے ایک گروہ کو حبشہ کی طرف چلے جانے کا حکم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بناتے ہیں۔ ادھر مسلمانوں کی عسکری تنظیم ہوتی ہے اور ادھر مدینہ کے باثر یہودیوں کے ساتھ معاہدے ہوتے ہیں اب غزوات کا دور شروع ہوتا ہے تو ایک طرف جہاں بدر وحنین کی معرکہ آرائیاں ہیں تو دوسری طرف صلح حدیبیہ کا بھی ایک منظر ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجدد کا خون گرم مگر دماغ ٹھنڈا ہونا چاہیئے۔ اس میں شجاعت و بہادری کے ساتھ قوت برداشت بھی اور بردباری و حلم کا جوہر بھی ہونا چاہیئے۔

(۶)

عزیمت کوشی | ایک مجدد کی راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ بلکہ کانٹوں اور مصیبتوں سے بھری ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جب وہ نظام باطل کے خلاف حق و صداقت ضلالت کے بالمقابل اسلام محض اور جھوٹ کے مقابلہ میں سچ کی حمایت اور اس کی اشاعت کرے گا تو شروع شروع میں اس کی زبردست مخالفت ہوگی۔ ارباب اقتدار اس کو اپنے اقتدار سے ڈرائیں گے اور قید و محن میں کسنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ۔ امام مالک بن انس۔ امام غزالی۔ حافظ ابن تیمیہ۔ اور شیخ احمد سرہندی اور حضرت سید احمد صاحب شہید۔ جن کو مجددین امت کہا گیا ہے ان کے ساتھ کیا گیا اس موقع پر مجدد کو صاحب عزیمت ہونا چاہیئے۔ نہ کہ صاحب رخصت، اسے قید و بند کے مصائب انگیز کرنے چاہیئے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ گٹھیا۔ یا اختلاج قلب۔ اور یا اور کسی بیماری کا عذر کر کے خانہ نشین ہو کر بیٹھ رہے اسے کھلم کھلا میدان میں آنا چاہیئے اور ہر قسم کے آرام و آفات کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہیئے۔

کشتگان عشق مے از ساغر سری خورند چونکہ سر را خاک خواہد خورد گو پیا نہ باش
کاذبی در عشق اگر خاک ترت گرد د خموش مہ پاچو در میدان سربازان نہی مردانہ باش

ہم نے یہاں تک مجدد کے عام اوصاف و کمالات بیان کئے ہیں اب بتائیں گے کہ حضرت مولانا تھانوی کے زمانہ میں اسلام کی اور مسلمانوں کی حالت کیا تھی؟ اور کیوں تھی؟ اور ان حالات کے پیش نظر ایک مجدد کو کیسا ہونا چاہیئے تھا۔؟

باقی آئندہ